THE SIRMOOR GAZETTE NAHAN

سرمور گزٹ

ناہن

نمبر ۱۳ | مطبوعہ ۹ - اپریل سنہ ۱۸۹۳ء یکشنبہ | جلد ۶

سرمور گزٹ

ناہن ۹ - اپریل سنہ ۱۸۹۳ء دن یکشنبہ

ہم اس مسرت افزا خبر کے سننے سے نہایت خوش ہیں کہ جناب نواب صاحب بہادر جوناگڈھ نے مدرسہ اسلام کراچی کو دس ہزار روپیہ بغرض ترقی تعلیم مسلمانان وامداد مدرسہ عطا فرمایا ہے — جناب خان بہادر حسن علی بے آفندی نے نواب صاحب ممدوح کی اس قابل قدر فیاضی کی یادگار قایم رکھنے کے واسطے مدرسہ کے ہال میں ایک سنگ مرمر کی تختی پر اس فیاضی کے حالات لکھ کر لگا دیے ہیں اور ہال کو جناب نواب صاحب ممدوح کے اسم گرامی سے موسوم کیا ہے — مسلمانوں میں ایسی فیاضی کی نظیروں کی نہایت ضرورت ہے — خدا سب کو ایسی ہی توفیق دے اور اس فیاض نواب کی فیاضی اور ہمت اور نیکی میں برکت دے —

ہندوستان کے مسلمان عموماً اس امر کے معلوم کرنے کے مشتاق معلوم ہوتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے کون علماء شکاگو کی نمایش میں مذہب اسلام کی طرف سے وکالت کرنے کے واسطے امریکہ جاوینگے ہم اس بارہ میں اپنے ان بزرگ علما سے جنہوں نے اس کار خیر کو اپنے ذمہ لیا تھا خط و کتابت کر رہے ہیں اور عنقریب اس کے نتیجہ سے اپنے دوستوں کو مطلع کرینگے —

مسٹر کوئیلیم

شیخ الاسلام انگلستان نے جو لورپول مین لورپول اور انگلستان کے نو مسلم لوگون کے بچون اور دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانون کے بچون کی تعلیم کے وسایل کو اگر وہ انگلستان مین تعلیم پانا چاہین آسان کرنے کے لئے ایک کالج قایم کیا ہے اوسکے نتایج کی عمدہ کامیابی کا حال معلوم کرنے سے ہم کو نہایت خوشی ہوی ہے - جس قدر طالب علم اس اسلامی کالج سے کیمبرج لوکل اگزمینیشن مین شریک ہوی سب تعریف کے ساتھ اول درجہ مین کامیاب ہوے مین - اور تین طالب علمون نے آنر حاصل کی ہے - اون مین سے ایک تو مسٹر کوئیلیم کا بارہ سالہ بچہ رابرٹ احمد کوئیلیم ہے اور دوسرے دو طالب علم ہمارے مخدوم معظم حافظ احمد ضیا خان صاحب جج ہائی کورٹ حیدر آباد کے دونون فرزند ہین جن کی نسبت ہم کو معلوم تھا کہ وہ وہان خود مختارانہ طریقہ کے خلاف جس مین دوسرے ہندوستانی مسلمان طالب علم ابتک وہان تعلیم پاتے رہے ہین مسٹر کوئیلیم کی زیر حفاظت اور اوسکے اسلامی کالج مین تعلیم پا رہے ہین ہمارے ان دونون عزیز بھائیون کے نام سید حسن اور سید حسین ہین اور اون کی عمرین سترہ سترہ سال کی ہین - سید حسن نے اقلیدس اور حساب مین آنر حاصل کی ہے اور سید حسین نے انگریزی تاریخ اور فرینچ مین آنر حاصل کی ہے ہم عنقریب اس امر کی نسبت بحث کرنے والے ہین کہ اب انگلستان مین ہندوستانی مسلمان طالب علمون کو تعلیم پانے کے واسطے کون سا طریقہ زیادہ مفید اور مصارف کے لحاظ سے کفایت والا ہے - آیا خود مختارانہ طور پر تعلیم پانے کا یا مسٹر کوئیلیم کی زیر نگرانی تعلیم پانے کا اور اوس وقت لورپول کے اسلامی کالج کے زیادہ حالات بھی ہم بیان کرین گے اور ہمارے مخدوم حافظ احمد ضیا خان صاحب کے تجربہ اور اس نئے طریقہ کی مثال سے جو انھون نے قایم کی ہے ہم فایدہ اٹھائین گے

دنیا کے مسلمانون کی باہمی اسلامی اخوت کے رشتہ کی روز بروز ترقی کرنے کی یہ ایک عمدہ مثال ہے کہ مقام شانگھی واقعہ ملک چین کے مسٹر - ایس - ایچ - عباس نے مسٹر کوئیلیم کے پاس اون کی مسجد اور قبرستان کی تعمیر کے واسطے پانچ پونڈ بطور چندہ کے بھیجے ہین -

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے

پچھلے اجلاس منعقدہ دہلی مین بمبئی کے دو لایق اور متمول میمن صاحبان بھی شریک ہوے تھے انہون نے اپنے وطن مین واپس پہونچ کر بمبئی کے اخبار مسلمان اوف انڈیا کو کانفرنس کے جلسے کے متعلق کی نسبت ایک چٹھی لکھی ہے - اوس مین سے ہم ایک فقرہ کا ترجمہ ذیل مین لکھتے ہین -

"جیسا کہ مین پہلے یقین کرتا تھا یہ صحیح ہے کہ سر سید احمد خان صاحب کانفرنس کے فادر (بانی) ہین اور اس پچھلے جلسہ تک وہی سکرٹری کی کرسی پر رہے ہین - مین نے اون کے ساتھ علی گڑھ کالج کے طلبا کو بھی مجمع مین دیکھا - لیکن بایں ہمہ مین اقرار کر سکتا ہون کہ کانفرنس کی کارروائی کامل طور پر آزادانہ وضع اور طریقہ پر ہوتی تھی ہر ایک شریک ممبر کو اپنی اپنی راے کے اظہار اور کسی تجویز کے پیش کرنے کے واسطے پوری آزادی ہے اور ہر حال مین کثرت راے پر ہر معاملہ کا فیصلہ ہوتا ہے - تمام تر مدار کثرت راے پر ہے اور سر سید کی ہمراہی بہت کم ہوتے ہین" اس کے بعد راقم خط نے ایسی مثالین بیان کی ہین جن مین کانفرنس مین غلبہ راے سے سر سید کی راے کے خلاف کسی امر کا فیصلہ ہوا ہم کو اس وقت ایسے مباحثون اور امور سے کوئی بحث کرنا منظور نہین ہے جن مین سر سید کی راے کے خلاف کسی امر کا فیصلہ ہوا ہو مگر ایسے فیصلے ہوے ضرور ہین ہم اس وقت صرف یہ کہنا چاہتے ہین کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صرف ہندوستان کی نہین بلکہ تمام دنیا کے مسلمانون کا سب سے پہلا وہ عظیم الشان مجلس ہے جس مین مسلمانون کی اغراض و ضروریات پر کامل آزادی سے بحث ہوتی ہے اور جو کہ مسلمانون مین آزادی راے اور خود مختارانہ طبایع پیدا کرنے والی روح پیدا کر رہی ہے - اگر چند قوم کے بدخواہ مسلمان کانفرنس کی اس برکت کو چھپائین اور خلاف واقعہ باتین لکھین اور کانفرنس کا برا مانگین تو اس سے سچائی کو کچھ نقصان پہونچ سکتا مسلمانون کی قوم اور اون کی اس مبارک مجلس اور اون کے مفید کامون کو ان قوم کے دشمنون سے اگر نقصان اٹھانا اون کی قسمت مین بدا ہے

نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خان بہادر کی آیندہ

نکلنے والی تصانیف کا آج ہم نہایت خوشی سے ذکر کرتے ہیں اور اپنے دوستون کو خوش خبری سناتے ہیں - ہمارے دوستون اور بزرگون کو یاد ہوگا کہ آنریبل سر سید احمد خان صاحب نے سنہ ۱۸۸۳ء میں مضامین انعامی کی نسبت لکھے جانے کا اشتہار دیا تھا ایک مضمون مسلمانون کے بچون کی سائنس اور ریاضی مین اچھا نہ نکلنے کی شکایت کی نسبت تھا جس کا جواب غلطی سے یا ذہنی سے جیسا کوئی کہے ہم نے بھی لکھا تھا اور کچھ تغیر کے ساتھ رسالہ تعلیم کی صورت میں چھاپا گیا ہے دوسرے سوال کا مضمون اس قسم کا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ یورپ مین علوم و فنون کی تعلیم عقائد اسلام سے برگشتگی پیدا کرتی ہے اور یہ پوچھا گیا تھا کہ علوم و فلسفہ میں وہ کون سے مسائل اور مباحث ہیں جن سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے اور ہماری مذہبی علوم کی کتب میں کون سے مقامات ہیں جن کے پڑھانے سے یہ شکایت رفع ہو سکتی ہے مسلمانون کی خوش قسمتی ہے اس مضمون کو ہماری قوم کے فخر اور بےنظیر فاضل مولانا مولوی محمد چراغ علی خان صاحب نے لکھنا شروع کیا اور جب ہم نے سنہ ۱۸۹۰ء میں اون کا مسودہ جو بہت کچھ لکھا جا چکا تھا دیکھا تو ہم کو یقین ہو گیا کہ سوا اوس یگانہ فاضل اور یکتائے عالم کے کسی شخص کی طاقت اور مقدور میں نہیں تھا کہ ایسے مضمون کو ایسے بےنظیر طریقہ مین لکھے اور مسلمانون کی قوم کو ایسا گوہر بےبہا ہاتھ آ جاوے - اوسی زمانہ میں ہم نے اس خبر کو مشتہر کیا تھا اور ہم کو امید تھی کہ وہ مضمون جس قدر باقی تھا بہت جلد لکھا جا کر شائع ہو جاوے گا - مگر جناب مولانا موصوف سے ہم اس امر کی شکایت کرنی چاہیے کہ انھون نے اتنے دنون تک قوم کو منتظر رکھا - لیکن درحقیقت اون کو کم فرصتی نے اوس کے ختم کرنے اور شائع کرنے سے روک رکھا - اب ہم کو بخوبی طور پر معلوم ہوا ہے کہ جناب ممدوح اوس مضمون کے ختم کر دینے اور چھپوا دینے کے واسطے انتظام کر چکے ہیں اور بہت زمانہ نہ گذرے گا کہ وہ مضمون ایک لاثانی اور بےانتہا مفید کتاب کی صورت میں مسلمانون کے ہاتھ میں ہوگا -

اس کے سوا ہم ایک مسرت افزا مژدہ بھی اپنے دوستون کو سناتے ہیں کہ جناب مولوی صاحب ممدوح نے ایک عرصہ دراز سے ایک کتاب انگریزی زبان میں "محمد [illegible]" (Mohammad A[illegible]) کے نام سے لکھنی شروع کی تھی - مگر اس عرصہ میں جو پندرہ برس سے کم نہ ہوگا انھون نے اور اسلامی کتابون کی طرف توجہ کی اور اپنی دو لاجواب کتابیں "ریفارمز انڈر مسلم رول" (Reforms under Moslem Rule) اور "اے کریٹیکل اکسپوزیشن آف دی پاپولر جہاد" (A critical exposition of the popular Jihad) لکھ کر اور چھاپ کر شائع کیں - اسی زمانہ میں وہ حیدرآباد میں بھی ایک وسیع کتاب لکھتے رہے اور بسبب ضروری اور زیادہ کام کے ختم نہ کر سکے - اس وقت تک اوس کے دو سو صفحے چھپ چکے ہیں مگر کتاب ابھی ختم نہیں ہوئی - لیکن اب جناب ممدوح کا ارادہ ہے کہ جس قدر کتاب ختم ہو چکی ہے اوس کو شائع کر دیں اور باقی مضامین جو اوس میں رہ جاویں اون کو دوسرے نام سے یا اوسی کتاب کی دوسری جلد کے نام سے جب وہ لکھے جاویں پھر چھاپیں - درحقیقت یہ تجویز نہایت عمدہ ہے اور ہر ایک مسلمان یہی خواہش کرے گا کہ وہ اپنی اس تجویز پر کاربند ہون اور اپنی اوس بےنظیر محنت کے قیمتی نتیجہ کو جتنا جلدی ممکن ہو اسلام اور مسلمانون اور غیر مسلمانون کے نفع کے واسطے شائع کر دیں - اور قوم پر احسان کریں اور ہم کو امید ہے کہ چونکہ جناب ممدوح کا یہ ارادہ ہو چکا ہے وہ بہت جلد موجودہ مطبوعہ کتاب کو نکالنے کے واسطے ختم کر دیں گے اور ہماری قومی اور مذہبی تصانیف میں ایک بیش قیمت اضافہ ہو جاوے گا -

کھلا خط

بخدمت جناب مولوی حشمت اللہ صاحب ایم - اے
سی ایس پریزیڈنٹ ہفتم ایجوکیشنل کانفرنس دہلی

جناب من - جس وجہ سے آپ کے نام یہ خط روانہ کرتا ہون وہ ایک عجیب وجہ ہے اور امید ہے کہ آپ اس جرأت کو معاف کریں گے کہ بجائے خانگی طور پر خط و کتابت کرنے یا زبانی کہنے کے میں نے جناب کو اس خط کے لکھنے کا ذریعہ قرار دیا - سچ ہے کہ ایک مصنف یا مقرر ملکی جائداد ہو جاتا ہے اور ہر شخص کو اوس کی تصنیف و تالیف پر بحث کرنے کا کسی قدر حق ہوتا ہے - مگر اس خط سے میرا یہ مقصد نہیں کہ آپ کی تصانیف پر کچھ بحث کرون بلکہ نہایت ادب سے چند باتیں لکھنا چاہتا ہون لیکن اگر کسی نامعلوم آدمی کا خانگی خط جناب کے نام پہنچتا تو ممکن ہے کہ عدالت کے وقت آپ اوس غلطی اور لطف کو

کاغذات کی کثرت آپ کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیتی —

اعلان میں اور میں خوشی کا اظہار کرتا ہوں جو مجھ کو آپکے ایجوکیشنل کانفرنس کے پریزیڈنٹ ہونے سے اور مدرسۃ العلوم کی ممبری سفر پہونچے سے حاصل ہوئی ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ مجھ کو آپ کے حالات سے کچھ واقفیت ہے بلکہ آپ کی لیاقت اور اہلیت کی وجہ سے جو چند لکچروں سے ظاہر ہوئی ہے اور اس ہمدردی کی وجہ سے جو ان میں پائی جاتی ہے آپ کا انتخاب گویا سب کے لئے ایک اعلان ہے کہ یہ معزز مرتبہ خاندان جائداد مال اور عمر یا ملازمت کی زیادتی ہی کے لئے نہیں بلکہ علمی لیاقت کے لئے بھی کھلا ہے مجھکو امید ہے کہ بہت نوجوان آپکے مانند کوشش کرینگے تا کہ اس اعلیٰ درجہ کو حاصل کریں گو آپ کا جائنٹ مجسٹریٹ ہونا بھی انتخاب کی ایک وجہ ہو مگر بعض آدمیوں کو بڑا افسوس ہوگا کہ آپ کا کیوں یہ عہدہ ہوتا کہ صرف ہمدردی کی لیاقت کرسی پر ہوتی —

خیر یہ باتیں تو خارج از بحث ہیں اب میں اصل امر کہنا چاہتا ہوں — آپ خود اس امر سے واقف ہیں کہ ہماری زبان میں مصنفوں کی کس قدر کمی ہے اور عمدہ مصنفوں کی کس قدر ضرورت ہے جو ملک کا مذاق درست کریں اور ان میں اعلیٰ خیالات پیدا کریں — جو لوگ اس وقت نظر آتے ہیں ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ مجھ کو نام لینے سے لحاظ معلوم ہوتا ہے — لیکن ان میں نثر کے اعتبار سے زبان کے زور بیان کی خوبی میں زبردست اثر ڈالنے میں اور ملک میں نئے نئے اور اعلیٰ درجہ کے خیالات سلیس اور عام فہم عبارت میں بیان کرنے میں ایک شخص سب سے ممتاز ہے وہ آپ خود قیاس کر سکتے ہیں سرسید ہیں ان کی مذہبی اور زمانہ دیرینہ کی تصانیف کو چھوڑ دیجئے — نثر کے پر زور مضمون تہذیب الاخلاق کے مضامین سے نہیں بڑھ سکتے — مگر سرسید صرف مصنف ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے بہترین مقرر ہیں — اور آپ بھی دونوں صفتیں جمع کرنا چاہتے ہیں اور دونوں صفتیں جمع کر سکتے ہیں — مگر آپ یہ خیال فرمائیں کہ سرسید کے اس اثر کا بھید کیا ہے سچائی — جوش — لیاقت یہ سب درست مگر زبان کے اعتبار سے ان کی سادگی ہے جس میں انھوں نے ایسی فصاحت اور زور کو بھرا ہے ان کی تقریروں کا ایک نہایت عمدہ مجموعہ منشی سراج الدین صاحب اڈیٹر سرمور گزٹ نے طبع کرایا ہے — میں اس کو آج کل دیکھتا ہوں افسوس ہے کہ میں لاطینی یا یونانی واقف نہیں لیکن سنا ہے کہ ڈیماستھنیز جو یورپ کا فصیح الفصحا مانا جاتا ہے زبان کی سلاست — استعارات اور تشبیہوں سے پرہیز کرنے میں دنیا کے سب فصیحوں سے سبقت لے گیا ہے برخلاف اس کے سسرو عبارت کو استعارات اور تشبیہوں میں بہت جکڑتا ہے اور گو یہ ایک عیب ہے اور ایسے عیب بہت فصاحت و بلاغت میں لاثانی ہونے کے لئے سسرو کے برابر انسان کو ہونا چاہیے —

سرسید کی (خدائے تعالےٰ ان کو دیر تک ہمارے سر پر قائم رکھے) بعض تقریریں اس فصاحت اور زور کی ہیں کہ بلا مبالغہ اردو علم ادب اور قوموں کے مقابل ان پر فخر کر سکتا ہے ان میں بعض مقامات خود بخود فرانس کے سلطان الفصحا میرابو یا انگلستان کے مقررین ولیم پٹ چتھم اور برک اور گلیڈسٹون کو یاد دلاتے ہیں دیکھئے وہ لکچر جو امرتسر کے ٹون ہال (۱۸۸۴ء) میں دیا ہے اور خصوصاً وہ جملے جو اس طرح شروع ہوتے ہیں

"چند سال ہماری اور تمہاری عمریں باقی ہیں — یہ سفید سفید داڑھیاں — بوڑھے بوڑھے منھ زمین میں گڑ کر یا مرگھٹ پر جل کر خاک ہو جائیں گے" — یہ فقرے فرنچ روولیوشن کے اس عجیب وقت کو یاد دلاتے ہیں جب ڈانٹن نے چند فقرے کہے تھے اور جب فرانس چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا یہ بھی انہیں کی طرح دل ہلا دینے والے ہیں "اپنے دشمنوں کو تباہ کرنے کے لئے فرانس کو آزاد کرنے کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے اور پھر خود گرج کی سی یا یہ کہنا چاہیے کہ جوش کے وقت سرسید کی سی آواز میں کہتا ہے کہ "جرأت — اور پھر جرأت — اور سدا جرأت —"

جناب من — اس سب بحث سے یہ مطلب ہے کہ سادگی بیان عام فہم الفاظ روزمرہ اور معمولی زبان مگر زور کے ساتھ صاف اور پاک عبارت تقریر اور تحریر کے سب سے بڑھکر جوہر ہیں — اور سرسید کو اسی امر میں کمال حاصل ہے —

ہماری قوم میں ضرورت ہے ایسے علم ادب کی جو دیرپا ہو اور آجکل لوگوں پر اثر ڈالنے کے لئے ایسا طرز تحریر ہونا چاہیے جو عام آدمی سمجھ سکیں — عام آدمیوں سے مراد ہے وہ گروہ جو قومی حالات میں شوق رکھتے ہیں اور اردو کا اخبار پڑھ سکتے ہیں — عمدہ تحریر یا تقریر وہی ہے جس کو عام آدمی سمجھیں اور خاص آدمی پسند کریں —

لیکن آپ معاف فرمائیں کہ مجھ کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا رنگین طرز تحریر ایسا ہے اور اُس میں اس قدر تلازمے اور استعارے اور تشبیہیں اور اشارے لفظ اور خیال ہوتے ہیں کہ عام آدمی اس کو سمجھ نہیں سکتے اور خاص آدمی پسند نہیں کرتے گو وہ مصنف کی لیاقت - ذہانت - وسعت معلومات کو تسلیم کرتے ہیں اس بھی زیادہ افسوس یہ ہے کہ ایسے کلام کا اثر بہت کم ہوتا ہے - دو کتابیں ہیں باغ و بہار - اور فسانۂ عجائب - الف لیلہ اور مقامات حریری - آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سی بہتر کتاب ہے جس طرز تحریر کی میں نے ہجو کی ہے اُس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں عمدہ چست لطیف اور فصیح عبارت کو بُرا سمجھتا ہوں - کلام میں یہ باتیں ضرور ہونی چاہئیں مگر نہ اتنا کہ جس سے الشبیانی طرز تحریر دنیا میں بدنام ہے - مولانا حالی (مدظلہم) کے کلام کی قدر کے لئے اگلا زمانہ آئے گا مگر اس قدر ہر دل عزیزی ایسی حالت میں بھی اب وہ اس کی عجیب و غریب سادگی اور سلاست کی وجہ سے ہے کیونکہ بہت سے کم علم یا تقریباً ناخواندہ اس سے لطف اُٹھاتے ہیں یا نصیحت سیکھتے ہیں -

جناب من --- اس خط کے لکھنے سے میرے دو مقصد تھے ایک آپ کی خیرخواہی اور دوسرے قومی بھلائی کیونکہ قوم میں ایسے مصنفوں کی نہایت کمی ہے جو مغربی خیالات کی رُو سے بھی واقف ہیں اور مشرقی زبانوں میں بھی دستگاہ رکھتے ہوں - آپ یہ نہ خیال فرمائیں کہ یہ صرف لکھنے والے کی رائے ہیں بلکہ سب علمی مذاق کے آدمیوں کو اس امر میں متفق پایا بلکہ اس امر پر متاسف کہ ایسا لائق آدمی اپنی لیاقت کو ایسے کام میں ضائع کرے قوم میں مسجع عبارت کی ایسی کمی نہیں ہے کہ ہم اپنی جودت طبع اس میدان میں دکھاویں ممکن ہے کہ چند پرانی وضع کو پسند کرنے والے آپ کی اس عبارت آرائی کی نہایت تعریف کرتے ہوں گے مگر وہ نیا فرقہ جو اردو میں سرسید اور مولانا حالی کے اثر سے پیدا ہوا ہے - وہ فرقہ جو مولانا محمد حسین آزاد کے کلام کی قدر بھی اس لئے کرتا ہے کہ ان کے مضمون کے لئے وہی طرز مناسب ہے اور اس لئے کہ ایسا ہی استاد اس کو نباہ سکتا ہے وہ فرقہ جو مولوی شبلی صاحب کی تاریخی تصانیف کو اس لئے اور بھی قدر سے دیکھتا ہے کہ وہ اپنا مطلب بغیر کسی ہیر پھیر کے صاف صاف سمجھا دیتے ہیں غرض وہ علمی فرقہ جس سے چار و ناچار آپ کو خطاب کرنا پڑتا ہے آپ کے خیالات کی تعریف کرے گا مگر زبان کو اچھا نہیں سمجھتا - چند آدمی جو تصنیف کے بھید سے ناواقف اور علم کے مذاق سے ناآشنا ہیں اگر اس طریقہ کی مدح کریں تو آپ کو (عربی مضمون میں) مغرور نہ ہونا چاہیے - مصنف کا اصول متعارفہ یہ ہوتا ہے جس کو شاعر اس طرح بیان کرتا ہے

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را
تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

پچھلے سال بھی آپ کے عمدہ لکچر میں رنگینی ضرورت سے زیادہ تھی اور گو افسوس ہے کہ اس سال راقم کو اس کے سننے کی عزت حاصل نہیں ہوئی مگر سنا ہے کہ اس کا شروع نگارستان جو قلم سے نکلا ہوا تھا - اگر مسٹر بارلی یا بکن سر فلپ سڈنی کی طرح مسجع اور رنگین عبارت میں اپنے مضمون لکھیں تو شاید اس سے زیادہ تعجب نہ ہو -

آپ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا نذیر احمد صاحب سے کیوں نہیں درخواست کی جاتی کہ اپنی طرز کی اصلاح کریں - مگر جناب من اول تو وہ توبۃ النصوح اور مبتلا کے مصنف ہیں دوسرے اُن کی عادت راسخ ہوگئی ہے اور اُن کی لیاقت اور اُن کے علمی مذاق اور عجیب و غریب فراست سے جب اس عمر تک یہ طرز نہ چھوٹا تو اب کیا امید ہے - ان کی ذات سے اس نو ایجاد زبان ہی میں جو فائدہ پہونچا ہے کیا کچھ کم ہے - دوسرے یہ بھی خوف ہے کہ اگر ان کے نئے مضامین کی زبان کو علما نے سمجھ لیا تو کفر کے فتووں کی بوچھاڑ ہوگی اور ایک بے سود سمع خراشی اور بے فائدہ غل شروع ہوگا اس طول بیان کو معاف فرمائیں اور اگر کوئی بات ناگوار ہو تو اس کو خیرخواہی پر محمول کریں کیونکہ راقم کی خواہش ہے آپ کی کتاب البصائر خصوصاً اور تقریریں عموماً جہاں تک ممکن ہو عیب سے خالی ہوں ؎

ولا يعجبنك من صقلت ثيابه · فربما كان في المكدر ممتزجا

راقم - آپ کا نہایت صادق شناسا "کانفرنس کا ایک ممبر"

علی گڈھ کالج اور ٹکنیکل ایجوکیشن

الہ آباد یونیورسٹی کے کنووکیشن پر جو اسپیچ اس کے فاضل چانسلر نے دی اور جو ریمارک اس پر آنریبل سر سید نے لکھے ان کو پنجاب کے اہل الرائے نے نہایت غور اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ اس امر کا تذکرہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ مخدوم قوم سید والا صفات کی تحریرات کو عموماً پنجاب کے مسلمان کس عزت اور قدر کی نگاہ سے ہمیشہ دیکھا کرتے ہیں اور کس حسن عقیدت سے بغرض استفادہ انہیں بار بار پڑھا کرتے ہیں۔ مگر اس مضمون کو غیر معمولی انٹرسٹ کے ساتھ پڑھا گیا اور اصحاب علم دوست کی صحبتوں میں اس کا بہت کچھ چرچا ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس مضمون سے علی گڈھ کالج کی آیندہ تعلیمی پالسی پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام قوم کی آیندہ تعلیم کی حالت نظر آتی ہے کیونکہ اس مربی و محسن قوم کی رائے نہ صرف علی گڈھ کالج کی رہنمائی کرتی ہے بلکہ تمام قوم کی تعلیم کی ہادی ہوتی ہے

اس مضمون سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی گڈھ کالج کے واجب العزت بانی کی رائے ٹکنیکل ایجوکیشن کے برخلاف ہے اور وہ اس کو بمقابلہ علم تعلیم کے پسند نہیں کرتے جس پالسی پر کہ علی گڈھ کالج ایک عرصہ سے چل رہا ہے اس سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ کالج میں نیچرل سائنس کا کوئی خاص پروفیسر نہیں۔ فزکس۔ کیمسٹری۔ جیالوجی۔ باٹنی۔ وغیرہ علوم کی کوئی کلاس نہیں۔ گویا ان علوم کو ایسا غیر ضروری اور فضول سمجھ لیا گیا ہے کہ سرے سے ان کو داخل تدریس ہی نہیں کیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ نہ ان سے اس قدر دماغی تربیت حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ خالی لٹریچر سے ہوتی ہے اور نہ ان میں اس قدر دلچسپی اور دلربائی کا سامان ہے جتنا کہ لٹریری خواندگی میں ہے۔ ان علوم کا جاننے والا کسی مصرف کا نہیں۔ محض نکما ہے اور اس کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی کہ ایک محض لٹریچر کے جاننے والے (یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ لٹریچر اور چند کتب فلسفہ ذہنی کے پڑھے ہوئے) کی ہوتی ہے۔ ان علوم کے پڑھنے سے نہ دماغی تربیت ہو نہ خیالات میں وسعت۔ نہ سلسلہ کائنات میں کوئی دلچسپی اور دلربائی کا سامان ان کے ذریعہ سے ملے تو پھر اس دردسری سے کیا حاصل۔ اور اس کے تحصیل میں محنت کرنے سے کیا فائدہ۔

مگر جب ہم صفحات تہذیب الاخلاق پر نگاہ دوڑاتے ہیں اور اس اسکیم کو دیکھتے ہیں کہ جو اس کالج کے لئے فرشتہ سیرت سید القوم نے تجویز کیا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کی اشاعت قوم اسلام میں اس کالج کا ایک خاص مقصد تھا اور اس کالج کا ایک خاص فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ سائنس کو مسلمانوں میں عام کرے۔ ایک وہ وقت تھا کہ سائنس کو ایسا ضروری اور مفید خیال کیا گیا تھا۔ یا اب یہ حالت ہے کہ ان کو نکما اور فضول اور بے لطف سمجھا جاتا ہے ؎ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

اس امر کا سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ سرزمین ہند میں آن کر یا شائد علی گڈھ میں پہونچ کر ان علوم کو کیا ہو گیا کہ وہ تمام فوائد اور منافع سے بے بہرہ اور تمام برکتوں سے بالکل معرا ہو گئے۔ نہ ان میں کوئی فائدہ مندی رہی کہ ان کو داخل تدریس کالج اسلامی کیا جاوے۔ نہ ان میں کوئی خوبی اور لطف رہا کہ ہمارے قومی کالج کے طلبا کو مرغوب و دلچسپ معلوم ہوں۔ یورپ و امریکہ میں تو وہ تعلیم کے لئے بمنزلہ جان و روح کے سمجھے جاویں۔ ان کو پڑھے بغیر تعلیم ادھوری یا ناقص سمجھی جاوے مگر ہندوستان کا کالج کے احاطہ کے اندر گھسنا بھی پسند نہ کیا جاوے۔ اے سائنس کیا ہوئی تیری برکتیں جن سے تو نے دنیا کو مالا مال کیا ہے۔ کیا تو ہماری حاجات اور ضروریات کی ہزارہا چیزیں تیار کرنے میں شب و روز مصروف نہیں ہے۔ کیا خود ہماری زندگی کے اصول مبادی کا مدار تیری ہی قوتوں اور طاقتوں سے وابستہ نہیں ہے۔ اے زمین کے خزانے اگلوا دینے والی جیالوجی کیا ہندوستان کی معدنی دولت تجھے کشش نہیں کرتی۔ ہاں اے دلچسپیوں اور دلفریبیوں پر اور فائدوں اور برکتوں سے مالا مال باٹنی کیا اس سے زیادہ بے قدری تیری ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ ہماری قومی درسگاہ (حرسہا اللہ تعالٰے الی یوم القیام) میں ہو رہی ہے تیرے منفعتوں کو کون گن سکتا ہے تیری دلچسپیوں کا شمار کہاں ہو سکتا ہے

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست از معرفت کردگار

اے صحیفہ فطرت کے سچے اور سربستہ علوم تمہاری سخت بے قدری ہو رہی ہے اور مشتبہ اور غیر مفید دلائل و خیالات کے مضامین کو تم پر ترجیح غیر واجب دی جا رہی ہے۔ اس وقت ضروریات زندگی کا مہیا کرنا سخت مشکل اور دشوار ہو گیا ہے۔ اب ہماری تعلیم ایسی ہونی چاہئے جس سے نہ صرف ہمارے خیالوں

میں خوشی حاصل ہوتی رہے بلکہ اس کے سوا یہ بھی ضروری ہے کہ تعلیم میں معاش کے سوال بھی باہم پہونچا وے ایسی تعلیم کو ہم کیا کریں جو ہمارے دماغوں کو تربیت دینے اور ہمارے دلوں کے بہلانے میں ید طولیٰ رکھتی ہو مگر ہم اس کے حاصل کرنے کے بعد بھی ویسے ہی مفلس و نان شبینہ کے محتاج رہیں۔ جیسے کہ پہلے تھے۔ حالات ایسے خوف ناک ہو گئے ہیں۔ زمانہ ایسا نازک آگیا ہے کہ اب ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں خود اس بات کا فکر پیدا ہو گیا ہے کہ اس تعلیم سے جو انھیں دی جا رہی ہے کیوں کر روٹی کما کھاویں گے انگریزی خواندگی سے ان کو طمانیت نہیں ہوتی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بیکن اور مِل کا فلسفہ پڑھ کر اور کوپر اور ملٹن اور شکسپیر اور ملٹن کی نظم و نثر دیکھ کر ان کے دلوں میں حب الوطنی اور قومی ہمدردی کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے اور قوم کو فائدہ پہونچانے کا ولولہ بھڑک اٹھتا ہے لیکن جوں ہی دنیا کی دشوار گذار گھاٹیوں میں ان کا گذر ہوتا ہے۔ زمانہ کی سرد مہری اور شکم پری کے ناگوار تفکرات کا بوجھ سر پر ان کی ساری گرمی ٹھنڈی ہو کر رہ جاتی ہے اور ان کی تمام عالی خیالات اور بلند پروازیاں ہوا ہو جاتی ہیں۔ آزادی کا جوش ان کے دلوں سے رخصت ہوتا ہے اور ملازمت کی طرف مجبور کر دوڑتے ہیں تاکہ قوت لا یموت حاصل کریں لیکن کیا سب کو ملازمت مل سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ بہتوں کو سرکار دربار کے اندر باریابی بھی نہیں مل سکتی مگر اس پر بھی ان کی نگاہ اسی پر منحصر رہتی ہے کہ کسی سبب سے ملازمت ہی حاصل کریں۔ کیونکہ سوائے اس کے اور کوئی صورت معاش ان کو نظر ہی نہیں آتی۔

ان کی تعلیم ہی اسی قسم کی ہے کہ جس کے سوائے ملازمت کے اور کوئی طریق معاش اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر ٹکنیکل ایجوکیشن دیجاوے تو وہ صرف ملازمت ہی کو اپنا ملجا و ماوائی نہ خیال کریں بلکہ صنعت و حرفت کی طرف بھی ان کی طبائع راغب ہوں۔ اور اس طرح ایک نیا باب رزق ان کے لئے کھلے آنریبل سید بہت بجا فرماتے ہیں کہ لوگوں کا یہ خیال بالکل بیہودہ ہے کہ جہاں ٹکنیکل ایجوکیشن جاری ہوئی وہ تمام چیزیں خود بنانے لگیں گے۔ ہندوستان کی بنی ہوئی گھڑیاں ان کی جیبوں میں ہوں گی اور وہ یورپ و امریکہ کی کاریگری سے بالکل بے پرواہ ہو جاویں گے۔ اس وقت دفعتاً ایسے انقلاب عظیم کا ہونا محض ناممکن ہے اور از قبیل ایں خیال است و محال است و جنون معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ اگر ٹکنیکل ایجوکیشن اب شروع ہو جاوے تو کبھی نہ کبھی وہ وقت آجاوے گا جب کہ ہندوستان کا فرنیچر ہمارے گھروں میں ہوگا اور ہندوستان کی بنائی ہوئی گھڑیاں ہماری جیبوں میں اور ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لئے یورپ و امریکہ کے ایسے محتاج اور دست نگر ہوں گے جیسا کہ اب ہیں روم ایک دن میں تیار نہیں ہوا تھا کوئی امر اہتم بالشان ایسی جلدی پورا نہیں ہو سکتا۔ کہ ادھر شروع ہوا اور ادھر اس کے نتائج بھی پورے کمال کے ساتھ حاصل ہونے لگ جاویں پس جو درخت کہ آج لگایا جاوے گا ضرور کچھ عرصہ کے بعد پھلنے پھولنے لگا۔ اور جس عمارت کی اب بنیاد ڈالی جاتی ہے وہ ضرور ایک دن عالی شان محل سرا ہو جاوے گی اس گئے گذرے زمانہ میں جب کہ نہ کوئی ٹکنیکل ایجوکیشن مروج ہے نہ کوئی عملی تعلیم کا سامان ہے۔ خال خال آدمی ایسے نظر آتے ہیں جو اپنی دست کاری سے کئی ایک انگریزی خوان اور فلسفہ دان صاحب کی نسبت زیادہ آسائش اور عزت سے گذارہ کرتے ہیں۔ اگر ٹکنیکل ایجوکیشن کا چرچا ہو اگر سائنس کے مبادی اصول۔ نقشہ کشی۔ اور عملی تعلیم بھی عام ہو جاوے تو کچھ شبہ نہیں کہ اسی نیم تعلیم یافتہ غول میں سے کئے ایسے نکل آویں جو ملازمت کے سوائے اور کوئی ذریعہ معاش بھی پیدا کر سکیں۔

ہندوستان کی صنعت و حرفت ایک عرصہ سے عدم آباد کو چلتی کر گئی ہے نہ وہ خود ہی اور نہ اس کے حامی رہے اگر مسٹر ولسٹ کے بیان کو تسلیم کر لیا جاوے تو صرف بنگال کی بنی ہوئی چیزیں گجرات، لاہور اور اصفہان تک پھیلی ہوئی تھیں ہر ایک تاریخ ہند کا جاننے والا اس امر سے بخوبی واقف ہوگا کہ بنگال کا ریشمی مال ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت کا ایک بڑا حصہ ہو گیا تھا۔ ۱۶۷۰ء میں ڈھاکہ سے ۳۰ لاکھ روپیہ کا مال انگلستان کو گئی تھی جس میں آدمی ملک میں ایسے تھے جو صنعت و حرفت کے بدولت نہایت آسودہ اور بافراغت گذران کرتے تھے۔ آج گو وہ بات نہیں وہ شوق صنعت و حرفت انڈسٹریل سپرٹ دور ہو گیا گو وہ مسافر چل گیا لیکن ہے اس کا نقش پا باقی۔ ابھی تک اس کا ذکر کتابوں میں موجود ہے خود مٹ گئی لیکن اس کا نام و نشان نہیں مٹا اور جوں جوں حاجات و مشکلات

میں زیادتی ہوتی جاتی ہے - جوں جوں معاش کی راہوں میں نئی نئی رکاوٹیں پیدا ہوتی جاتی ہیں اس کی یاد تازہ ہوتی جاتی ہے اور اس کے حال پر یہ قول راست ہوتا ہے کہ ہنوز نگران ہست - کہ ملکش بادگران ہست — سید عالی دماغ کی یہ رائے بالکل حق بجانب ہے کہ صرف ٹکنیکل ایجوکیشن ہی ملک کی ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتی بیشک ٹکنیکل ایجوکیشن سے پہلے انڈسٹریل اسپرٹ کا ہونا نہایت ضروری اور لازمی ہے — مگر خوش قسمتی سے اب لوگوں کے دلوں میں انڈسٹری کا میلان پیدا ہو گیا ہے اور اسی میں مصلحت اور سراسر مناسب وقت ہے کہ ٹکنیکل ایجوکیشن کو جاری کیا جاوے - اور سائنس کی تعلیم کو زیادہ وسعت دی جاوے —

اگر یہ خیال ہو کہ خالی سائنس کی تعلیم سے کیا ہو سکتا ہے - سائنس پر لکچر دینے وقت لکچر روم کی رونق بیشک دل ربا ہوتی ہے - نیچر کے مختلف تماشے جو اصول ان سے مستنبط ہوتے ہیں - ان کو معلوم کر کر دلوں میں بہت کچھ ذوق اور لطف حاصل ہوتا مگر اس گاہ کے دروازے سے باہر نکل کر سائنس کی وہ کشش آب و تاب چمک نہیں رہ سکتی تو یہ اعتراض بہت کچھ باوقعت معلوم ہوتا ہے - بیشک خالی سائنس ایسا مفید نہیں ہو سکتا - بلکہ اس کے منافع پر کامل وسعت گاہ اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ ہم علمی لکچروں کے ساتھ اس کا عمل بھی بتلایا جاوے جب کہ یہ بھی سکھلایا جاوے کہ سائنس کس طرح روزمرہ زندگی پر یوں لگایا جاتا ہے اور ملک کی پیداوار اور آمدنی ذریعوں کے سائنس کی تب باری سے کس طرح فراوانی اور افزائش ہو سکتی ہے مگر جس ٹکنیکل ایجوکیشن کا بیان و ذکر ہو رہا ہے وہ ایک بنیاد دیتی - اس قسم کی عملی تعلیم کے مہیا کرنے کی - اگر اس کا رواج ہو گیا تو کچھ عرصہ کے بعد قوم اور گورنمنٹ خود اس میں تبدیلیاں کرے گی — اور رفتہ رفتہ اس کو سیدھی راہ پر لے آوے گی - گو اس وقت ہماری تحریر پر لوگ ہنسیں گے (خصوصاً اس وجہ سے کہ لوگ سید صاحب کو ٹکنیکل ایجوکیشن کا مخالف سمجھتے ہیں) مگر ہم سچے دل سے کہتے ہیں کہ ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب سے پہلا ورکشاپ جو اس غرض کے لئے بنے گا وہ ہمارے اپنے کالج علی گڑھ کی لیبوریٹری کے متعلق ہو گا —

اگر یہ سمجھ لیا جاوے کہ ہم سائنس کی تعلیم کو چنداں مفید نہیں خیال کرتے اور عملاً اس کو بھی ایسا ہی بے سود سمجھتے ہیں جیسے کہ فلسفہ ذہنی کو — نہیں — ہرگز نہیں - بلکہ ہم بہت معلومات کے لئے - دماغی تربیت کے لئے - دل کے ذوق و شوق کے لئے سائنس کو نہایت ضروری خیال کرتے ہیں صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے سائنس کو بمنزلہ جان و روح سمجھتے ہیں — یہ ماناکہ جن لوگوں نے صنعت و حرفت میں ترقیاں کی ہیں یا دنیا کی آسائش و آرائش کے لئے نئی چیزیں ایجاد کی ہیں وہ اگرچہ سب کے سب لیبوریٹریوں میں رہنے والے نہیں تھے مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ وہ سائنس سے ضرور کم و بیش واقفیت رکھتے تھے - مگر تعجب نہ تعجب کہ ہمارے قومی کالج نے اس مضمون کو ایسا ذلیل و حقیر خیال کیا کہ اس وقت کوئی کلاس سائنس کی موجود نہیں ہے کالج کو ایک ایسا عمدہ امتیاز اس وقت حاصل ہے کہ جس کو قوم کی موجودہ حالت بے کسی کے لحاظ سے محض ایک فضل ایزدی خیال کرنا چاہئے - مگر افسوس کہ اس پر بھی سائنس کی طرف سے ایسی بے پروائی جاری رکھی گئی ہے کالج میں سائنس کے اوزار کا ایک عمدہ اور کارآمد ذخیرہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر جب اس ذخیرہ سے قرار واقعی کام نہ لیا جاوے تو اس کے لئے بھی کہنا پڑے گا کہ - زر بھر نہادن چہ سنگ و چہ زر

ہمارے حوائج اور ضروریات مجبور کر رہی ہیں کہ ہم کو تعلیم جو دی جاوے بالکل عملی اور کامل ہو — ہم کو اس بارہ میں یورپین لوگوں کی تتبع اور پیروی کرنا چاہئے

ہم اسی قسم کی تعلیم کے ساحت مند میں جو یورپ میں لوگوں کو دی جاتی ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر حکام وقت بیٹھے ڈپٹی کمشنر صاحبان کچھ اس طرح کی عجیب تعلیم حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں — کہ ہر ایک کام میں دخل دے سکتے ہیں نقشہ کشی کی باریکیاں وہ ایسی سمجھ سکتے ہیں کہ نقشہ کو دیکھ کر ایک ہی نگاہ میں ڈیزائن کی حسن و قبح سے واقف ہو جاتے ہیں اور اس کی خوبیوں کی داد دے سکتے ہیں - عمارت کو ملاحظہ کریں گے تو معمار و کے عیب و مقام فوراً تاڑ جاویں گے شفاخانہ کو معائنہ کریں گے تو مریضوں کے وارڈوں میں کچھ نقص - لحاظ اصول حفظ صحت ہوں ان کی نگاہ دقیقہ رس سے بچ نہیں سکتی کسی کارخانہ یا کسی اسکول کو دیکھیں گے تو اس کی ترقی کے متعلق نہایت صائب رائے لکھیں گے غرض وہ کچھ ایسی عجیب و غریب عملی تعلیم ہوتی ہے کہ ہر حالت میں ان کی معین و مددگار ہوتی ہے - آنریبل سید محمود نے اسی خاص خوبی کے لحاظ سے فاضلان یورپ سے کالج کا اسٹاف مترتب کیا ہے حقیقت میں ہمارے قومی کالج کی کشتی کھینے والے بخدا ایسے ہی کامل اور اصیل عالم ہونے چاہئے تھے - سید عالی صفات کی معاملہ فہمی - دقیقہ رسی - اور قومی دل سوزی کا یہ کوئی تھوڑا ثبوت نہیں —

یہ ہماری عین خوش قسمتی ہے کہ گورنمنٹ کو ہماری تعلیم میں ایک ایسی مفید تبدیلی کرنے کا خیال ہوا ہے - گورنمنٹ کے احسان کے شکر یہ سے ہم کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے - مگر ہم کو ڈر لگتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے ہماری قوم اس وقت اس طریقہ تعلیم کی طرف سے بے پرواہی کرے — اور پھر جب اور قومیں اس میں ترقی کر جاویں تو مسلمانوں کو رنج کرنا پڑے کہ ہائے ہم سب سے پیچھے رہ گئے —

ٹکنیکل ایجوکیشن کی نسبت یہ عام خیالات ہیں جو نہایت ادب و انکسار کے ساتھ سید القوم اور فاضل پروفیسران علی گڑھ کالج کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں — یہ سوء دانہ درخواست پنجاب کے اکثر آدمیوں کی رائے کا مخبر ہے اہل پنجاب کو جو دلی تعلق علی گڑھ کالج اور اس کی فنا فی القوم بانی سے ہے اسی کی وجہ سے یقین ہوتا ہے کہ اس ضروری عرض داشت پر ضرور توجہ کامل مبذول کی جاوے گی —

آخر میں اس امر کا ظاہر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے ایک اخبار نے اہل پنجاب کا سید القوم کے ساتھ حسن عقیدت صدق ارادت - دلی ہمدردی میں اور بے وجہ کسی نامعلوم وجہ سے سید صاحب کی شان میں الفاظ ناموزوں لکھنے شروع کئے ہیں اور لپیٹے میں کمترین خیالات کو تمام قوم کی طرف ناحق منسوب کرنے کی زحمت اٹھائی ہے - حالانکہ پنجاب کے سربرآوردہ قومی مجالس نے اس کے خیالات پر سخت نفرین کی ہے — پھر کبھی قومی ہمدردی کے آڑ میں اور کبھی حمایت اسلام کے پردہ میں وہ برابر اپنے دل کے زہر آلود بخار نکالے جا رہے ہیں - حالانکہ قومی ہمدردی نے اسی فنا فی القوم بڈھے کے مبارک ہاتھوں سے جان تازہ پائی ہے خود یہ لفظ اسی کے خداترس دل اور مبارک قلم سے نکلا ہوا ہے کاش جناب اخبار نویس صاحب ممدوح آنریبل سید کے مقابلے کی بے سود کوشش کرنے سے پہلے صرف اس قدر ہی خدمت — حمایت اسلام کر کے دکھلاتے جس قدر اس نے صرف ایک خطبہ بشارات لکھ کر کی ہے ہاں اگر اس فضول بحث سے صرف دلی رنج و کدورت کے حسد کا اظہار کرنا ہی مقصود ہو تو اس کا علاج تو آج سے سات سو سال پیشتر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بھی کچھ نہ تجویز کر سکے سوائے اس کے کہ — بمیر تا برہی اے حسود کین رنجیست که از مشقت آن جز بمرگ نتوان رست

ہم کو امید ہے کہ مجالس اسلامی کی نصیحت سے اخبار نویس صاحب ممدوح آئندہ کے لئے ایک مفید سبق سیکھیں گے —

پند حکیم عین صواب است ومحض خیر
فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شنید

رفیق ہند کے کئی سیاہ کئے ہوئے کالموں میں اندنوں ایک نامہذب لطیر نمبر قیم حضرت مولانا جناب مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کی نسبت خلاف واقعہ - بد تہذیب و وحشی تحریروں سے رفیق کی ایمانی روشنی کا پرتو دکھائی دیا - کاش ایسے مردم آزار شخص اگر انسانی صورت میں ہی پیدا کئے جاتے تھے - تو اونھیں کسیقدر انسانیت سے بھی نصیبہ مل جاتا - جہاں تک غور کی گئی اسلامی جماعت کے نمبر ان سے حضرت مولینا صاحب ہی ایک ایسے معمولی دوست شفقت سے باقی بچے ہوے تھے - بارے اب کے جلسہ سالانہ انجمن حمایت اسلام لاہور کی تقریب میں اس نے اپنے بر فطرتی فرض کو بھی ادا کر دیا - مانا کہ یہ مادہ فطرت سے مجبور ہے لیکن ایسی مصلح قوم کی نسبت ایسے مغلظات کا اخبار میں شایع کرکے پبلک کو ناقابل برداشت رنج پہنچانا کسقدر خباثت و کمینہ پن ہے اگر حضرت مولانا کا یہی قصور تھا کہ انہوں نے اپنے لکچر میں سرسید کو جس سکوری کا وہ لاہونا مستحق ہے - (اور رفیق ہند کا بھٹکا ہوا ایمان جو مادہ فطرتی کے جوش سے ابل گیا ہے سال گذشتہ سے پہلی جنم کے اپنی نوشتہ کو دکھا دے تو اسے خود معلوم ہوگا اپنی عقیدت کا وہی نصیب جو ایماندار کا مقتضی ہے دکھائی دیگا) شکر گذاری سے یاد کیا تو ہمیں افسوس ہے جا دیکھا کہ جناب میاں شاہ دین صاحب بیرسٹر لاہور او جناب مولوی حسن علی صاحب واعظ انجمن جنہوں نے اس سے پہلے اسی جلسہ میں اپنی انگریزی جوشن دار لکچروں میں سرسید کی قومی خدمات کا حضرت مولینا سے کئی گنا زیادہ نہیں تو چند ضرور ہی اعتراف کیا تھا (جس وقت کہ جلسہ کا ہال چیرز سے گونج رہا تھا اور شاید پہلی چیرز غلطی سے اڈیٹر صاحب رفیق ہند ہی دی تھی) کس طرح بچ رہے ہیں اس مردم در سے یقین ہے کہ ہم دونو صاحبان بھی کسی نہ کسی پرچہ میں انہیں غلیظ گالیوں کے القاب سے رفیق ہند کے صفحوں کی زینت ہو کر سیالکوٹی نقال سے اچھل اچھل کر شاباش واہ واہ کی داد ملنے سے رفیق کی روحانی خوشی کو بڑھائینگے -

جلسہ انجمن میں تو وہ تو دی سے کہتا ہو کہ حیلہ رحم عیز تھا وہ صرف حضرت مولانا صاحب ہی کی لکچر کی برکت کا اثر تھا کہ ہر طرف سے ہر فقرہ پر چیرز سے جلسہ کا ہال گونج رہا تھا لوگ نیکی اور بھلائی سیکھ رہے تھے لیکن رفیق ہند کی شیطانی طبیعت نئی قسم کی برائی کی تعلیم حاصل کر رہی تھی ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ہم نہیں جانتے کہ کب تک اس طرح سے بزرگان قوم کی دل آزاری ہوگی اور ہمارے اخبار کی ایسی خلاف واقعہ - بد تہذیب - اور خرافات بیہودہ گوئی کی بدبو ملک اور بالخصوص مسلمانوں کے دماغ کو کب تک پراگندہ اور دل کو صدمہ پہنچائے گی اور کب تک اسکی ایسی تہمتوں سے کتنے شریف ذلیل کئے جاوینگے - این چنین بد زندگانی مردہ بہ -

سرسید - محمد برکت علی خانصاحب - مولوی نذیر احمد صاحب - سردار محمد حیات خانصاحب - سی - ایس - آئی سید محمود صاحب -

غرض کہ بالعموم قوم کی گاڑی کے ڈرائیوروں پر ایسی ہی بزدلانہ حملوں سے اس نے صاف ثابت کر دیا ہے کہ یہ بھلا مانس امت محمدی کا جانی دشمن ہے اور اس گاڑی کو چلتا نہیں دیکھ سکتا یہ کیوں - مقتضا طبیعت سے ہیں اور ایسی ہی باتوں کو - شور بختان بآرزو خواہند - ہم تو جب رفیق کے صفحوں پر منشی محرم علی صاحب چشتی کا نام دیکھتے ہیں تو ہمیں منشی صاحب کی محرومی پر سخت افسوس آجاتا ہے کہ ایسے اولیاء اللہ سے نسبت خادمانہ اور ایسے افعال ظالمانہ لیکن سچ ہے - ہر تو نیکان نگیرد ہر کہ ..... ایسے دریا سلوک سے کنارہ کئے طرح خشک لب رہ جانا سخت محرومی کا نشان ہے - مگر یہ اختیاری امر نہیں ہے - تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ - ورنہ ایسی نسبت سے اگر مزاج میں راستی اور انکسار نہ بھی پیدا ہوتا تو بھی ایسی گندگی جمع نہ رہتی - اگرچہ اون کی ایسی حالت قابل رحم ہے - لیکن رحم بھی کسی حد تک جائز ہے - دمل کو چیرا اور مواد فاسد کا لئے بغیر عمل جراحی ہی رحم ہوتا ہے - انہیں اپنی حیثیت او حالت - اور ایسے بزرگان کی عزت اور عامہ قبولیت کا بھی کبھی خیال مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ انہوں نے قوم کے دل اپنی جان کو خدمت قومی میں قربان کرکے تسخیر کئے ہوئے ہیں اور جو کہ اہل ایمان کے دل میں اور

(رفیق ہند) کی طرح احسان فراموش اور محسن کشی نہیں کرسکتے - تاہم اگر مزاج بدلگام ہی ہو رہی ہو اور قوم کو بزرگان قوم کو ستانا ہی ان کا لازمی شیوہ ہے تو آپکے لئے ایک دوسرا بڑا وسیع میدان اس طبع آزمائی کے لئے حضرت مسیح موعود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر نزول کرنے کا کھلا ہوا موجود ہے جس کی تکذیب کے لئے اور بھی بہت سے علمائے ہندوستان ایمانی فرض سمجھ لے بیٹھے ہیں اور صرف آپ ہی کی کسر ہے اس سے کئی فاید ہونگے آپ کو باقتضائے طبیعت بہت عرصہ تک دلی بخارات نکالنے کا موقعہ مل سکے گا اور ہر قوم آپ کی نیش زنی کی خراش سے محفوظ رہیگی اور جسکا نتیجہ آپکے حق میں فایدہ بخش ہوگا - کہ بجائے اُمّت محمدی کے بدخواہ ہونے کے اون کے چند حواریوں کے نظروں میں ہی کانٹا بنو گے جن میں سے ایک نیک دل مقدس بزرگ تو آپ کے سبز قدموں کی برکت سے پہلے ہی ریاست بدر ہو چکے ہیں - دوسرے سیالکوٹی صاحب وہ آپ ہی کے منقال ہیں - ان دونو صاحبان پر تو فتح سمجھئے باقی میدان خالی ہے اور قریباً کلہم آپ جیسے علما آپکے مددگار اور آپ خود ماشاء اللہ ایسے ہو ہیں یگانہ عصر اور مشاق - نیز آپ کو مرتے دم یہ افسوس بھی نہ رہ جاویگا کہ ایک اور بزرگ آپکے قلم اور چھاپے کے ہتھوڑوں سے بچ نکلا - افسوس منشی صاحب آپ اپنی ہی قوم سے دغا نہ کریں اور قوم کی چلتی گاڑی کو ٹھوکر نہ دیں - سوائے آپ جیسے چند متنفسوں کے جن کی حماقت پر آپ کو بہت ہی جلد ہاتھ ملنے پڑیں گے آپ کو کوئی بھی اب اچھی نظر سے نہیں دیکھتا - ہندو صاحبان آپکے ہتھکنڈوں سے پہلے ہی واقف کار ہیں - اب مسلمان بھی آپ کی ضمیر سے پورے ماہر ہو چکے - سوائے اُن چند خوش مزاجوں کے جن کو آپ کی مدت سے ادائیں بھاتی ہیں کوئی نیک دل بھی آپ کے ایسے کرشموں کا خریدار نہیں اور نہ آپکی بیہودہ اور خلاف واقعہ تحریریں ان بزرگوں کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں اور خلق خدا کے ریفارمروں کی فہرست سے مٹا سکتی ہیں - ہاں بلکہ رفیق کے نام کو صفحہ دنیا سے

نصیحت گفتمت بشنو و بہانہ مگیر
کہ ہرچہ ناصح مشفق بگوید بپذیر

——— راقم ناصح مشفق

ع - ب - از گوجرانوالہ

خط بنام اڈیٹر سرمور گزٹ
رفیق ہند کی رسوائی

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکان برد

جناب اڈیٹر صاحب آپ کے اخبار کا پرچہ مورخہ ۵ مارچ ۱۸۹۳ء میری نظر سے گذرا - پنجاب کے نئے فتنہ پر جو مضمون اُس میں چھپا ہے اُس کو دیکھکر لوگوں کو شاید منشی محرم علی صاحب کے اندرونی حالات پر کچھ تعجب ہوا ہو مگر مجھے بالکل نہیں ہوا - کیونکہ میں اون کی طبیعت اور نیت اور طرز مزاج سے بخوبی واقف ہوں - جب کہ میں لاہور میں طالب علمی کرتا تھا اور منشی صاحب کے فیض صحبت سے اکثر مستفیض ہوتا تھا - مجھے اُن کے خیالات اُن کے افعال اُن کے جوڑ توڑ اُن کی تدبیریں اور اُن کے کرتوت دیکھتے دیکھتے اُن کی مزاج دانی کا ایک ایسا ملکہ حاصل ہوگیا تھا جس کے ذریعہ سے میں ہمیشہ اُن کے ہر ایک کام کا منشا اور اُن کی پالیسی کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہوں - جو معاملات اُن کے میرے ساتھ گذرے ہیں اُن کی تفصیل میں پھر کبھی کروں گا اس وقت مجھ کو صرف یہ جتانا منظور ہے کہ صاحب مضمون نے جو منشی صاحب کے رخ بدلنے کی وجہ بیان کی ہے میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں اور پہلے اس سے کہ یہ مضمون شایع ہو میں خود ایسا ہی خیال کرتا تھا - لیکن میرے نزدیک منشی صاحب نے بھی ہوا کا رخ دیکھے بغیر اپنا رخ نہیں بدلا - البتہ وہ فضائی جو کی ہوا یا زمانہ کی ہوا کے تابع نہیں ہیں - بلکہ ہوائے نفس کے تابع ہیں جس طرف اوس کا رخ بدلتا ہے اسی طرف انکا بھی رخ بدل جاتا ہے -

اگرچہ آپکے اخبار میں اس مضمون کی اشاعت سے منشی محرم علی کی رسوائی خواص اور عوام سب کے نزدیک کافی طور پر ہو گئی ہے مگر خواص کے نزدیک تو وہ اسی وقت رسوا ہو چکے تھے جب انھوں نے سرسید احمد خان صاحب کے

مخالف تحریریں چھاپنی شروع کی تھیں اور اُن کی رسوائی میں کوئی دقیقہ باقی رہ گیا تھا۔ تو مولانا نذیر احمد صاحب کو بُرا کہکر اونکی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملادی۔ رفیق ہند میں جو ایک مضمون صنعتِ دُشنام میں بعنوان "سرسید کا نیچری بھانڈ لاہور میں" چھپا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے لکچر نے منشی صاحب کی عقل کا چراغ بالکل گُل کر دیا۔ جس طرح ایک تعلیم یافتہ طوطا جبتک کہ بلی کا سامنا نہیں ہوتا ہر وقت نئی نئی بولیاں سنجیدگی کے ساتھ بولتا رہتا ہے۔ مگر جہاں بلی کا موںھ دیکھا وہ ساری بولیاں بولنی بھول جاتا ہے۔ اور اپنی قدرتی بولی یعنے ٹین ٹین کرنے کے سوا اُس کو کوئی بولی یاد نہیں رہتی۔ بعینہ یہی حال منشی صاحب کا مولانا کے لکچر کے بعد ہوا۔ مضمون نگاری کا طریقہ جو انہوں نے مدت دراز کی مشق اور مہارت سے سیکھا تہا اس کو بالکل فراموش کر دیا۔ اور جن باجیوں اور کمینوں کی صحبت میں انہوں نے اپنا بچپن بسر کیا تھا۔ اُن کی بولیاں بولنے لگے۔ گالیاں تو وہ پہلے بھی دیتے تھے مگر اب گالیاں دینے کے جگہ گالیاں بولنے لگے۔۔۔

آدمی کی رسوائی اور ذلت کسی دوسرے کے ذلیل اور رسوا کرنے سے ایسی ہرگز نہیں ہوتی جیسی کہ خود اُس کے اقوال وافعال سے ہوتی ہے۔ اُن کے مضمون کے دیکھنے سے جس قدر کہ اُس مضمون کی ناشائستگی اور بے تہذیبی معلوم ہوتی ہے۔ اُس سے زیادہ مولانا نذیر احمد صاحب کے لکچر کی وقعت اور ہیبت ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب رسوای ثمرے ہیں اُس گستاخی اور زبان درازی و بے ادبی کے جو ایک محسن قوم خادم قوم اور مخدوم قوم کے نسبت منشی صاحب کے قلم سے سرزد ہوی۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ ابھی اُن کو اس جرم کی بابت کچھ سزا بھگتنی باقی ہے خود اون کا کانشنس اون کو نہایت سخت سزا دیگا جس شخص کی نسبت انہوں نے ۱۸۸۸ء کی آغاز میں نہایت جوش وخروش کے ساتھ ایک نعتیہ شعر کو کسیقدر بدل کر یہ لکہا تہا کہ۔۔

مرحبا سیدِ اولادِ نبیِ عربی — جانِ جان باد فدایت کہ خوش نسبی

اب اُسی شخص کی نسبت ۱۸۹۳ء میں ملحد۔ مخرب اسلام۔ بیخ کن اسلام گستاخ۔ کم علم۔ افترا پرداز۔ کمینہ۔ نالائق۔ بزدلانہ حملہ کرنے والا۔ نالائق اعتقاد والا۔ ظالم۔ بے ادب۔ سگ دنیا۔ گمراہ۔ شیطانی اعتقاد والا غارت گر اسلام۔ لکھنا کیوں کر کہا جاسکتا ہے کہ اون کے کانشنس کے مطابق ہوگا۔ وہ ایسی کارروائی سے صرف اپنے ہی تئیں رسوا نہیں کرتے بلکہ تمام مسلمانوں کو بلکہ خود اسلام کو لوگوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل کرتے ہیں۔ کیونکہ جہاں انہوں نے سرسید کی جناب میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کی کوئی حد نہیں رکھی۔ اسی طرح اُنہوں نے اپنے دوستوں سے اپنی تعریف کرانے میں بھی کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا یہاں تک کہ کوئی آپ کو مصلح قوم اور لیڈر اور مخدوم قوم اور کیا کیا لکھتا ہے اور کوئی آپکے نامی پر اپنی کتاب کو ڈیڈیکیٹ کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ تمام ہندوستان میں منشی محرم علی سے بڑھ کر کوئی شخص اس بات کا استحقاق نہیں رکھتا کہ ہم اپنی کتاب کو اون کے نام پر ڈیڈیکیٹ کریں جب غیر قومیں آپ کی عظمت و شان اس درجہ تک سنیں گی اور ساتھ ہی یہ دیکھیں گی کہ آپ ایک ہی شخص کو کبھی اتنا بڑھاتے ہیں کہ نبی سے جا بھڑاتے ہیں اور پھر چند روز کے بعد اُسی شخص کی نسبت کوئی مذمت اور تنقیص کا لفظ اٹھا نہیں رکھتے تو وہ اسلام اور مسلمانوں کے نسبت کیا گمان کریں گے۔ غالباً جیسا کہ آپنے مولوی نذیر احمد کی نسبت کہا ہے وہ صرف آپ کی نسبت بلکہ تمام مسلمانوں کی نسبت یہ کہیں گے ـــہ

اگر حقیقت اسلام در جہان این ست — ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

ہم کو آج تک سرسید سے کسی قسم کا تعارف نہیں ہے اور منشی صاحب سے ایک مدت تک ہمارا میل جول اور ملاقات رہی ہے۔ پس اگر منشی صاحب کی تحریروں سے صرف سید صاحب کا کوئی شخصی یا ذاتی نقصان ہوتا۔ اور اسکا اثر تمام مسلمانوں کی سوسائٹی تک متعدی نہوتا تو ہم ہرگز ان چند سطروں کے لکھنے کی جرأت نہوتی جہاں ہم منشی صاحب کی شان میں نہ لاتے وہاں سید صاحب کی نہائی تنقیص کی بھی کچھ پروا نکرتے مگر چونکہ رفیق ہند کے مضامین تمام مسلمانوں کی سوسائٹی کو بدنام اور رسوا کرنے والے ہیں اس واسطے ہم کو ان چند الفاظ کے لکھنے کی جرأت ہوئی ہے۔ منشی صاحب ہم کو مجبور سمجھ کر معاف فرمائیں فقط

راقم ابو المحاسن حمید الدین سلیم از پانی پت

قواعد اور جسمانی ورزش

مدرسۃ العلوم مسلمان علیگڈھ کے طالب علموں کو ہز اکسلنسی کمانڈر انچیف بہادر افواج ہندوستان نے اپنی مہربانی سے طالب علموں کو قواعد اور جسمانی ورزش سکھانے کو فوج ہندوستان میں سے ایک معلم کالج کو عنایت فرمایا ہے اور اوس سے طالب علموں کو متعدد فائدے حاصل ہوں گے بشرطیکہ وہ اوس سے پوری طرح فائدہ اُٹھاویں۔

جسمانی ورزش سے سب سے مقدم صحت بدنی و قوت اعضاے رئیسہ کا حاصل ہوتا ہے جو بنیاد ہے زندگی کی اور اوس کے تمام مقصدوں کی اور نیز تعلیم پر محنت کرنے کے لائق ہونے اور اوس کو بخوبی حاصل کرنے کی۔ علاوہ اس کے اگر ہمارے طالب علم قواعد کو بخوبی سیکھ جاوین گے اور مضبوط قوی تندرست بہادر اور دلیر اور ایمان دار راست باز ہوں گے تو اون کو دنیاوی ترقی اور معاش حاصل کرنے کا بھی بہت عمدہ ذریعہ ہے۔

طالب علموں کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ نے جو نیا انتظام پولس کا تجویز کیا ہے اوس میں ہندوستانی افسروں کے لیے بھی بہت بیش قرار تنخواہیں تجویز کی ہیں جو تنخواہیں کہ اس وقت کلکٹری فوجداری دیوانی کے افسروں کو ملتی ہیں اوسی کے برابر پولس افسروں کے لیے تنخواہیں ہو گئی ہیں اور اگر کوئی ہندوستانی پولس کا افسر نیک نامی و ایمان داری سے کام کرے تو اوس کو سول کے بھی عہدے جیسے ڈپٹی کلکٹری و ڈپٹی مجسٹریٹی وغیرہ بھی مل سکتے ہیں پس قوی تندرست بہادر تعلیم یافتہ جوان کو یہ نہایت ہی عمدہ ذریعہ ترقی و دنیاوی حاصل کرنے کا ہے۔ ہم سے بعض حکام نے کہا کہ مدرسۃ العلوم کے طالب علم اگر اپنے تئیں پولس کی خدمت کے لائق بناویں اور نیز پولس کے عہدوں میں جانا چاہیں تو بلاشبہ وہ اوس عہدہ پر جگہ پانے کے مستحق ہوں گے کیونکہ مدرسۃ العلوم کے طالب علم اعتماد کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور اون کی تعلیم و تربیت کو حکام پسند کرتے ہیں پس ہماری یہ تجویز ہے کہ مدرسۃ العلوم کے جو طالب علم اس کام کو پسند کرتے ہوں اون کے لیے بہتر ہوگا کہ خاص طریقہ پر قواعد کے اور پولس سے جو قوانین متعلق ہیں اون کے سیکھنے پر بھی متوجہ ہوں اور کالج کی تعلیم بدستور جاری رکھیں کیونکہ قواعد وغیرہ سیکھنے سے کالج کی تعلیم میں کچھ ہرج نہیں ہو سکتا۔

خاص طریقہ جو ہماری راے میں طالب علموں کو اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہے۔

اول اون کو چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب سے سارٹیفکٹ اس بات کا حاصل کریں کہ اون کا کانسٹیٹیوشن مضبوط اور قواعد اور دھاوا کرنا سیکھنے کے لائق ہے اور ہم کو امید ہے کہ پرنسپل صاحب اپنی مہربانی سے ڈاکٹر صاحب سے اون کے کانسٹیٹیوشن کے امتحان کا بندوبست فرماوین گے۔

دوسرے یہ کہ اون طالب علموں کو جو اس گروہ میں داخل ہوں ایک سا لباس اختیار کرنا چاہیے اور لباس یہ ہو۔ سفید فلالین کی پتلون اور واسکوٹ اور سرخ رنگ کا پٹکا جس سے کمر کسی ہو اور کالا چھوٹا کوٹ اور اوس کی آستین پر چھوٹے کے پاس کالج کا تمغہ۔ کالج کا تمغہ سفید ریشم سے بنا ہوا ہو لیکن جو طالب علم زیادہ لیاقت حاصل کرے اوس کی آستین میں نقرئی کلابتون کا اور جو بہت زیادہ لیاقت حاصل کرے اوس کی آستین میں سنہری کلابتون کا تمغہ ہو۔

لباس جو تجویز ہو ہر طالب علم کو خود بنانا چاہیے الا کالج کے تمغے کالج کی طرف سے ملنے چاہییں اور مجھ کو امید ہے کہ وہ ضرور کالج کی طرف سے ملیں گے۔

تیسرے قواعد سیکھنے کے لیے پرنسپل صاحب کالج کوئی وقت مقرر کریں گے مگر طالب علموں کو لازم ہوگا کہ نہایت مستعدی سے اوس کی پابندی کریں اور جس وقت گھنٹہ یا بگل حاضری کا ہو فی الفور بلاتوقف جس طرح کہ فوج کے سپاہی بگل بجتے ہی جریٹ پر حاضر ہوتے ہیں حاضر ہو جاویں تاکہ اون کو مستعدی کی عادت پڑے۔

چوتھے افسر تعلیم کے حکموں کی اسی طرح اطاعت کریں جس طرح کہ فوج کے سپاہی افسر کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ قواعد میں اطاعت سب سے بڑا جزو تعلیم کا اور آیندہ وقت پر کام میں لانے اور کامیابی حاصل کرنے کا ہے۔

پانچویں پولس کے متعلق اور اوس کے امتحان میں جو قانون ہیں اون کو پڑھیں اور ہم کو امید ہے کہ مدرسۃ العلوم کے پروفیسر مولوی سید کرامت حسین بیرسٹر جو طالب علموں کے ساتھ نہایت ہمدرد اور اون پر مہربان ہیں نہایت خوشی سے اون کو تعلیم دیں گے۔

اس تحریر سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ سوا اس جماعت کے طالب علموں کے کوئی طالب علم قواعد سیکھنے میں شریک نہ ہو بلکہ جس قدر طالب علم اوس ورزش جسمانی میں شریک ہوں ہماری عین خوشی ہے۔ یہ خاص باتیں جو ہم نے لکھی ہیں وہ